مصر میں تحریکِ احیائے اسلام کا ازسرِ نو آغاز

از جناب خلیل حامدی صاحب

مصر نے اشتراکیت اور آمریت کا بیس سالہ دَور گزارنے کے بعد اب جو نیا رُخ اختیار کیا ہے، اُس پہ ہر مصری کسی حد تک مطمئن نظر آتا ہے۔ سابقہ دَور میں بھائی، بھائی سے اور دوست، دوست سے خائف رہتا تھا۔ جاسوسی کے وسیع نظام نے کسی ادارے میں بھی اعتماد اور سکون کی فضا نہ رہنے دی تھی۔ مصر کے سابق اٹارنی جنرل عبدالسلام کے بیان کے بموجب مصر کے ججوں کے اندر بھی خفیہ سروس کے لوگ موجود تھے۔ بہرحال اب یہ باتیں ماضی کی دلخراش کہانیوں کے طور پہ تو دُہرائی جاتی ہیں، مگر خوف و دہشت کا ماحول ختم ہو گیا ہے اور لوگ گھروں میں ہوں یا قہوہ خانوں میں، دفتروں میں ہوں یا تعلیم گاہوں میں، اپنے آپ کو محفوظ و مامون محسوس کرتے ہیں۔ عام اجتماعی زندگی میں بھی بڑی تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب عریانی اور فحاشی کو اس قدر چھوٹ مل چکی تھی کہ قاہرہ اور اسکندریہ جیسے بڑے بڑے شہر یورپ کے فاسد ترین شہروں کا عکس پیش کر رہے تھے۔ شراب کی دکانیں اور باریں عام تھیں، سنیما اور تھیٹر بے حیائی میں مسابقت کر رہے تھے، کوافیر (عورتوں کے بال بنانے کے مراکز) میں نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کے جمگھٹے رہتے تھے، اُزبکیہ گارڈن، شارع فؤاد الاوّل، اور میدان التحریر راجہ اندر کا اکھاڑا معلوم ہوتے تھے۔ ادب و ثقافت کے پردے میں کم سن لڑکوں اور لڑکیوں کو آوارگی اور لذت پرستی کا رسیا بنانے کے لیے اتحادِ اشتراکی نے اسکولوں اور کالجوں کی فضا کو بے حد مکدّر کر دیا تھا۔ ایک طرف یہ صورتِ حال تھی اور دوسری طرف جو لوگ دینداری کا اظہار کرتے، مسجدوں میں جا کر نمازیں پڑھتے یا ڈاڑھی رکھ لیتے اُن کا تعاقب کیا جاتا، اور انہیں خطرناک سمجھ کر خفیہ پولیس کے ذریعے انہیں نہ صرف زچ کیا جاتا بلکہ بسا اوقات جیلوں میں ڈال دیا جاتا۔ ہر متدیّن آدمی "دہشت پسند" قرار دیا گیا، اور اسے "الاخوان المسلمون" کا آدمی سمجھ کر ہر طرح کا ظلم اُس کے ساتھ روا

رکھا گیا - اب یہ یک طرفہ کھیل ختم ہو چکا ہے - الاخوان المسلمون کے لوگوں کی رہائی کے بعد مصر کے اسلامی ذہن میں یکایک زندگی اور جرأت پیدا ہو گئی ہے اور نوجوان نسل کے اندر خاص طور پر حیرت انگیز تبدیلی رُونما ہو رہی ہے -

" الاخوان المسلمون " پر مظالم کی کہانی بہت طویل ہے - اخوان کے مجلہ ماہنامہ الدعوۃ نے اکتوبر ۱۹۷۶ء کے شمارے میں مصری عوام کے سامنے اعداد و شمار کی زبان میں اخوان پر مظالم کی جو داستان بیان کی ہے اُس نے ہر شخص کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے - یہ داستان مصر کے نامور ایڈووکیٹ محمد شمس الدین الشناوی نے بیان کی ہے - موصوف اخوان کے تمام مقدمات لڑتے رہے ہیں اور اسی پاداش میں خود بھی نشانۂ ابتلاء بنے رہے ہیں - وہ بیان کرتے ہیں کہ فلسطین اور سویز کی جنگ کے علاوہ جمال عبدالناصر کے ہاتھوں سزائے موت پانے والوں یا لیمان طرہ کی جیل میں بذریعہ تعذیب جامِ شہادت نوش کرنے والوں کی مجموعی تعداد ۲۶۳ ہے - ۱۹۴۸ء (شاہ فاروق کے دَور میں) اور ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۵ء (ناصر کے عہد میں) گرفتار کیے جانے والوں کی تعداد ۶۱ ہزار ہے - ان میں بچے، عورتیں، بوڑھے اور نابینا افراد بھی بڑی تعداد میں شامل ہیں - اخوان کے لوگوں کو جو سزائیں دی گئیں ان کی مجموعی مدت ۶ لاکھ ۵۰ ہزار اور ۵۷ سال بنتی ہے - ان گرفتار شدگان میں سے صرف ایک ہزار ۵ سو ۴۰ افراد پر مقدمات قائم کیے گئے اور باقی تمام افراد بلا مقدمہ جیلوں میں بند رہے - اخوان کے لوگوں کی منقولہ اور غیر منقولہ ذاتی جائیدادیں، ان کی کمپنیاں اور دکانیں، ان کے مدرسے اور کلینک، ان کی فیکٹریاں اور ورکشاپیں اور ان کے مکان اور زمینیں جو ضبط کی گئیں یا برباد کی گئیں ان کی تفصیل الگ ہے -

اخوان قیدیوں اور نظر بندوں کو فوجی جیلوں کے اندر جو زہرہ گداز سزائیں دی جاتی رہی ہیں ان کی تفصیلات مصر کے متعدد اخبارات و رسائل میں چھپ رہی ہیں - اور کئی افراد نے ان واقعات پر مشتمل رُودادیں قلمبند کی ہیں - کمال فرادی کی " یومیات سجین " (قیدی کا روزنامچہ)، احمد رائف کی " البوابۃ السوداء " (سیاہ دروازہ) علی جریشہ کی " سنوات فی السجن " (جیل کے چند سال) نے لوگوں کے اندر کھلبلی مچا دی ہے - جمال فوزی جب حوالۂ زنداں کیا گیا تھا تو وہ تنومند اور بینا نوجوان تھا اور جب رہا ہوا ہے تو وہ بینائی سے محروم تھا - اُسے کس سنگدلی کے ساتھ بینائی سے محروم کیا گیا، اس کی تفصیل اُس نے الدعوۃ کے اگست ۱۹۷۶ء کے شمارے میں بیان کی ہے - اس ہولناک کہانی کو پڑھنے کے لیے حوصلہ درکار ہے - عہدِ مظلومی میں اخوان کے بارے

میں کلمۂ حق زبان سے نکالنا بلا کو دعوت دینا تھا۔ مگر اب جب شمشیرِ سفّاک سروں سے ہٹ چکی ہے تو ہر شخص اخوان کے مظلوم اور برحق ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ کتاب "الصامتون ینکلمون" (خاموش رہنے والے مہرِ سکوت توڑتے ہیں) ہے۔ اس میں متعدد نمایاں لوگوں نے جن میں جمال عبدالناصر کے دَور کے دو وزیر کمال الدین حسین اور عبداللطیف بغدادی بھی شامل ہیں، ناصر کے مظالم کی گواہی دیتے ہیں، اور اخوان کی عظمت کا نہ صرف اعتراف کرتے ہیں بلکہ اپنے وزارتوں سے نکالے جانے کا سبب اخوان سے غدّاری بیان کرتے ہیں۔

جن لوگوں نے ناصر کی ڈکٹیٹرشپ کا ساتھ دیا اور پھر خوب مادّی فوائد لوٹے وہ غالباً یہ سمجھتے تھے کہ یہ "سنہری دَور" کبھی نہیں بدلے گا۔ مگر حالات کی اچانک تبدیلی سے ان لوگوں کے لیے سرزمینِ مصر تنگ ہو گئی ہے۔ پورے معاشرے کے اندر اُن کے لیے ذلت و رسوائی کے سوا کوئی مقام نہیں رہ گیا ہے۔ ان میں صحافی بھی ہیں اور علماء بھی۔ پولیس اور فوج کے افسر بھی ہیں اور عدالتوں کے جج بھی۔ یہ افراد خود تو تباہ ہوئے، اپنی آئندہ نسل کو بھی بے وزن کر گئے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ پھٹکار اُن ججوں پر پڑ رہی ہے جو جاہ و منصب کی خاطر آمر کا آلہ کار بنے اور عدل و انصاف کا خون کر کے پوری مصری قوم کی گردن سفّاک اور غاصب نظام کے حوالے کر دی۔ مصر کا سابق اٹارنی جنرل عبدالسلام اپنی کتاب "سنوات عصیبہ" (مصیبت کے سال) میں لکھتا ہے کہ "ناصر کی ڈکٹیٹرشپ کو کامیاب کرنے والے مصری عدلیہ کے بیشتر ارکان تھے جنھوں نے آمریت کو قانون کے آگے سرنگوں کرنے کے بجائے قانون کو آمریت کے آگے سجدہ ریز کر دیا"۔ اٹارنی جنرل نے اپنی کتاب میں ایسے ججوں کی نام بنام تفصیل بیان کر کے مصری قوم کے سامنے انہیں سامانِ عبرت بنا کر رکھ دیا ہے۔ سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو ملٹری کورٹ کے جس جج نے سزائے موت دی تھی اُس کا نام کرنل دَجَوِی ہے۔ یہ شخص اب روپوش ہے۔ اسی طرح سے سول انٹیلی جنس اور ملٹری انٹیلی جنس کے افسران جن میں جلاد حمزہ لبیونی اور جلاد صلاح نصر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مصر کی تاریخ کا نہایت مکروہ کردار سمجھے جا رہے ہیں۔ مصری عوام انہیں "آلِ فرعون" کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ ناصر کے دَور میں محمد حسنین ہیکل کو راسپوٹین کا مقام حاصل تھا، مگر اب اُس کی شہرت ایک بیسوا کی شہرت سے زیادہ نہیں ہے۔ علماء کی ایک ٹولی بھی فتوٰی فروشی، جاہ طلبی اور قربِ سلطانی کا شکار ہو گئی۔ الدعوۃ نے اُس دَور کے ایک "عالمِ دین" شیخ عبدالرحیم فرغل بلینی کا اخوان کے خلاف ایک فتوٰی نقل کیا ہے۔ یہ فتوٰی ۱۹۶۵ء میں سید قطب اور اُن کے رفقاء کی گرفتاری اور

پھر شہادت کے وقت جاری کیا گیا تھا، اور اسے مصر کی امورِ اسلامی کی سپریم کونسل نے پھیلایا تھا۔ اس فتوے میں مولوی صاحب نے کہا تھا کہ "صرف سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس پورے گروہ کی بیخ کنی کی جائے۔" قربِ سلطانی کے شوق میں اُس وقت تو مولوی صاحب نے فتویٰ جاری کر دیا۔ مگر اب اُن کا مصری عوام کی نظر میں وہی مقام رہ گیا ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فتویٰ دینے والے علماء کا تھا۔ ان کے برعکس اِس وقت سیّد قطب مصر کی اسلامی تاریخ کا درخشندہ ستارہ سمجھے جا رہے ہیں۔ ان کی کتابوں کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور مصر کی نوجوان نسل پر سیّد قطب کی تحریریں اور کردار خوشں آیند اثرات پیدا کر رہے ہیں۔ سیّد کے بعض الفاظ نوجوانوں نے ازبر کر رکھے ہیں۔ قول و فعل کی ہم آہنگی کے بارے میں سیّد کا یہ جملہ آپ یونیورسٹی کے کسی بھی نوجوان سے زبانی سُن سکتے ہیں:

"لفظ اگر ایسے دل سے نہ صادر ہو جو اُس پر ایمان رکھتا ہو تو وہ خواہ کتنا ہی پُرشکوہ، گرجدار اور شعلہ انگیز ہو بے جان اور بے اثر ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص اسے حق نہ مانے گا جب تک اُس لفظ کو بیان کرنے والا اپنے لفظ کا زندہ پیکر اور اپنے قول کا متحرک عکس نہ بن جائے۔ ایسی صورت میں لوگ خود بخود اُس لفظ کی حقانیت کو تسلیم کریں گے اور کہنے والے پر بھرپور اعتماد کریں گے۔ اس لفظ کی طاقت اُس کی گرج نہ ہو گی بلکہ اُس کی عملی حقیقت ہو گی، اُس کی خوبصورتی کا راز اس کی رعنائی نہ ہو گی بلکہ اس کی سچائی ہو گی۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۹۴۸ء کے بعد مصر میں پہلی مرتبہ اخوان کو جرأت کے ساتھ اصل حقائق کو بے نقاب کرنے کا موقع ملا ہے۔ اخوان کا پُرانا مجلہ الدعوۃ جولائی ۱۹۷۶ء سے دوبارہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ پچاس ہزار چھپا تھا جو دن کے گیارہ بجے تک بک اسٹالوں سے ختم ہو گیا۔ چنانچہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اس کی بے پناہ مانگ کی وجہ سے پہلے شمارے کا دوسرا ایڈیشن چھاپنا پڑا۔ اِس وقت تک اس کے چار شمارے نکل چکے ہیں اور ہر شمارہ ۸۵ ہزار کی تعداد میں چھپ رہا ہے۔ اور ہر شمارے میں اس امر کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اخوان پر آج تک جو الزامات لگائے گئے ہیں اور ان کے رہنماؤں اور کارکنوں کو جو سزائیں دی گئی ہیں ان کی دوبارہ عدالتی تحقیقات کی جائے۔ اگست کے شمارے میں مجلہ نے عبدالقادر عودہ شہید کا مسئلہ اُٹھایا ہے اور تمام واقعات بیان کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ عودہ شہید پر مقدمہ چلانے سے پیشتر ہی ان کی موت کی سزا کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارے میں شیخ فرغلی شہید اور اکتوبر کے شمارے میں سید قطب کا مسئلہ اُٹھایا گیا ہے۔ اور پھر ان تمام رازوں کا انکشاف کیا گیا ہے جو اخوان کو خلافِ قانون قرار دیے جانے کے موجب

بنے ہیں۔

"الاخوان المسلمون" کو تنظیم کی حیثیت سے بحال کرنے کی ابھی تک اجازت نہیں دی گئی ہے۔ البتہ ان کے رہنما اور ان کے اخبارات مسلسل جماعتی سرگرمیوں کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اخوان کے سابق مکتبِ ارشاد (عاملہ) کے رکن عمر تلمسانی نے ایک مضمون میں صاف لکھا ہے کہ" ملّت اسلامیہ کی پیشرفت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ" اخوان" کو قانونی طور پر بحال کیا جائے، تاکہ اخوان رہنما اور کارکن فوراً معاشرے میں پھیلیں اور اسلام کا پیغام عام کریں اور مسلمانوں کے دلوں میں دین کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔ اور اگر موجودہ خلا کو پُر نہ کیا گیا تو فسادِ کبیر پھیل جانے کا اندیشہ ہے"۔ اخلاقی اور دینی لحاظ سے اس وقت اخوان مصر میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی عظمتِ کردار اور ثابت قدمی نوجوان نسل پر اثر انداز ہو رہی ہے، اس لیے اُمید ہے کہ اگر اخوان بحیثیت جماعت بحال ہو گئے تو تھوڑی ہی مدّت کے اندر عوامی طاقت بن جائیں گے۔

اسلامی ذہن و فکر رکھنے والے نوجوانوں نے تعلیمی اداروں کے اندر کام کا ایک اور راستہ نکال لیا ہے۔ انہوں نے" الجماعۃ الاسلامیہ" کے نام سے قاہرہ یونیورسٹی، اسکندریہ یونیورسٹی، عین شمس یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں میں حلقے قائم کر لیے ہیں اور اخوان کا لٹریچر اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور دیگر اسلامی رہنماؤں کی تالیفات ان کی ذہنی و فکری غذا ہیں۔ ان حلقوں کی سرگرمیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یونیورسٹیوں میں طلبہ کی یونینوں پر ان حلقوں کا قبضہ ہے۔ ان یونینوں نے تبلیغی و اصلاحی پروگرام جاری کر رکھے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے یونیورسٹیوں کے تمام طلبہ کو عمرہ کرانے کی اسکیم تیار کی ہے اور ہر طالب علم کو ۶۰ مصری پونڈ کے عوض اس پروگرام میں دعوتِ شرکت دی گئی ہے۔ دیہاتیوں اور ضلعی مقامات میں اسلام کی تبلیغ اور تخریبی نظریات کی تردید کے لیے ان کے" قافلے" ازہری طلبہ کی قیادت میں دَورے کر رہے ہیں۔ لڑکیوں کے اندر بھی اسلامی تہذیب کو اپنانے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ دورِ اشتراکیت میں اس امر کی انتہائی کوشش کی گئی تھی کہ فلم اور ثقافت کی دنیا سے تعلّق رکھنے والی عورتوں کو مصر کی نئی نسل کے لیے نمونہ بنایا جائے۔ چنانچہ اربابِ طرَب و غنا پوری قوم کے ذہن و فکر پر سوار تھے۔ اُم کلثوم کو رمزالوحدۃ (اتحاد کا شعار) کہا جاتا تھا۔ جدید ترین فیشن کے شو، بالوں کے نئے نئے اسٹائل اور رقص و سرود کے مشرقی اور مغربی ڈھنگ لڑکیوں کی دلچسپیوں کے مرکز تھے۔ مگر اب خود لڑکیوں کے اندر ان چیزوں کے خلاف

ردِ عمل اُبھر رہا ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر ایک مسلمان لیڈی ڈاکٹر نور الصبّاح نے پردے کے حق میں زوردار آواز بلند کر کے ترقی پسند حلقوں پر ضرب کاری لگا دی۔ مصری پریس میں اس ضرب کے اثرات اس قدر محسوس کیے گئے کہ لیڈی ڈاکٹر کے ایک انٹرویو کے جواب میں اوباش مردوں اور عورتوں کے مسلسل انٹرویو شائع کیے گئے۔ لیڈی ڈاکٹر سے جب یہ سوال کیا گیا تھا کہ اُس نے پردے کا یہ تصوّر کہ عورت کا پورا جسم پوشیدہ رہے کہاں سے لیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ قدیم علماء کے علاوہ جدید دَور کے اسلامی مفکر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اپنی کتابوں (پردہ اور تفسیر سورۂ نور) میں اسے بالوضاحت بیان کیا ہے۔ الدعوۃ مسلسل ایسی باپردہ لڑکیوں کی خبریں چھاپ رہا ہے جو آزاد خیال اور آوارہ مزاج لڑکیوں کی بدولت زیادہ اچھے نمبر لے کر پاس ہو رہی ہیں۔

خیر و شر کی یہ کشمکش آئندہ کیا نتیجہ پیدا کرے گی، اس کے بارے میں تو کوئی اندازہ لگانا سردست مشکل ہے۔ لیکن خود سرکاری حلقوں میں اس کشمکش کا آغاز ہو چکا ہے۔ مصر کے وزیر اوقاف شیخ محمد حسین الذہبی (مصنف "التفسیر والمفسرون") نے ایک بیان میں اس بات پر رنجیدگی کا اظہار کیا ہے کہ "مسجد کے ذریعہ جو کچھ بنایا جا رہا ہے ٹیلی ویژن کے ذریعے اُسے ڈھایا جا رہا ہے"۔ وزیر تعلیم نے بھی کھلم کھلا ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "ہم تعلیم گاہوں کے اندر جو اخلاقی عمارت پیدا کرتے ہیں ابلاغ کے ذرائع اُسے منہدم کر دیتے ہیں"۔ اس کشمکش پر تبصرہ کرتے ہوئے الدعوۃ کا اداریہ نویس لکھتا ہے:

> "آج نوجوان نسل صحیح راستے پر گامزن ہو رہی ہے۔ یونیورسٹیوں کو اپنے فرض کا احساس ہو رہا ہے، اور وہ اب اُسی کردار کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کر رہی ہیں جو ماضی قریب میں اُس نے اختیار کیا تھا۔ سویز کے ساحل پر افرنگیوں کے حملوں کا جواب دینے کے لیے یونیورسٹیوں کے طلبہ نے ہی جہاد کے دستوں کی قیادت کی تھی۔ اور حق اور ناموس کے تحفظ کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ ہماری قوم کی نوخیز بچیاں بھی اپنی خودی کو پہچان چکی ہیں، اور نہ صرف اسلام کا نعرہ لگا رہی ہیں بلکہ اسلامی عادات کی عملاً پابندی کر رہی ہیں، اور اسلامی اقدار پر قائم ہو چکی ہیں۔ عوام کے اندر ایک زبردست لہر اُٹھ کھڑی ہوئی ہے جس کا مقصد دین کی طرف رجوع، شریعت اسلامی کا احیاء اور جہاد کا قیام ہے۔ اس لہر کو تسلیم کر لینا امر ناگزیر ہے۔ حکام کا فرض ہے کہ وہ اس عوامی خواہش کو پورا کریں۔ علمبردارانِ حق کا فرض ہے کہ وہ اس جد و جہد میں زیادہ سے زیادہ محنت اور سنجیدگی کو اپنائیں اور اپنی عملی زندگی کو دوسروں

کے لیے نمونہ بنا کر پیش کریں۔ اور حکمران اور عوام دونوں یہ اعلان کریں کہ انہیں اسلام کے جھنڈے کے سوا کسی جھنڈے کی ضرورت نہیں ہے، اور سب کا ایک ہی نعرہ ہو کہ اللّٰہ غایتنا (اللہ کی رضا ہمارا نصب العین ہے)، القرآن دستورنا (قرآن ہمارا دستور حیات ہے) والنبی إمامنا (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قائد ہیں)۔ ماسکو، واشنگٹن، لندن اور پیرس کے محتاج "سے ہم عرض کریں گے کہ سراب کے پیچھے کب تک دوڑتے رہو گے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کعبہ صرف مکّہ ہی ہے، حج صرف بیت اللہ کا کیا جا سکتا ہے اور راہِ حجاز ہی فلاح و سعادت کی راہ ہے"۔

اس وقت مصر میں سب سے زیادہ آواز اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے اٹھائی جا رہی ہے۔ اس آواز کو بلند کرنے والی بھی زیادہ تر نئی نسل ہے۔ تقریباً ہر طبقۂ خیال کے لوگ اس کی تائید کر چکے ہیں۔ مصری پارلیمنٹ میں بھی موضوع بار بار زیر بحث آ رہا ہے۔ مصریوں نے عفریتِ اشتراکیت کے عہد میں جو روح فرسا حالات دیکھے ہیں، اور قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا جو طوفانِ بدتمیزی مشاہدہ کیا ہے اس کی وجہ سے اُن کے اندر یہ خواہش شدت کے ساتھ اُبھر آئی ہے کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ ہو۔ قانون اور عدلیہ کے لوگ تو ایک مہم کے طور پر اسلامی قانون کی تنفیذ کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ مصری پارلیمنٹ میں مصر کے ایک نامور قانون دان اور رکن پارلیمنٹ ڈاکٹر اسماعیل معتوق نے اسلامی قانونِ قصاص و تعزیر کے نام سے ایک ترمیمی بل پیش کر رکھا ہے۔ یہ بل مصر کے موجودہ قانونِ تعزیر کے اندر شریعت اسلامی کے مطابق تبدیلی کرنے کے لیے ۷۶ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس بل کی تیاری میں ازہر کے علماء، سپریم کورٹ کے وکلاء اور مختلف قانون دانوں سے مدد لی گئی ہے۔ جب یہ بل پیش کیا گیا تو اس پر مصر بھر میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ہر محفل اور ہر تقریب میں اس کی حمایت کی گئی۔ پارلیمنٹ کا بینہ اور قصرِ صدارت کے نام ملک کے کونے کونے سے تاروں اور خطوط کی بارش ہونے لگی جن میں اس بل کی حمایت کی گئی۔ بلکہ پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت اس بل کی حمایت میں دستخط بھی کر چکی ہے۔ خود حکومت کی طرف سے اسلامی قانون کی تدوین کے لیے ججوں اور علماء پر مشتمل کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئی ہیں جو مقررہ وقت کے اندر اپنی رپورٹ پیش کرنے کی پابند ہیں۔

ایک طرف یہ حوصلہ افزا حالات ہیں، اور دوسری طرف مصر کا بے دین اور ملحد عنصر بھی خاموش نہیں ہے۔ بقول شیخ الازہر:

"اس عوامی خواہش کے مقابلے میں بعض افراد یہ چہ میگوئیاں بھی کر رہے ہیں کہ کیا آج کے دَور میں

بھی اسلامی حدود قائم کی جا سکتی ہیں ؟ کیا یہ بات درست ہو گی کہ ہم پھر اُس دَور کی طرف لوٹ جائیں جب چور کے ہاتھ کاٹے جاتے تھے ، زانی کو سنگسار کیا جاتا تھا اور ڈاکوؤں کو پھانسی دی جاتی تھی؟ یورپ کی حکومتیں تو سزائے موت ختم کر کے صرف جیلوں پر اکتفا کر رہی ہیں ۔ جدید تمدّن نے جو طریقے ختم کر دیے ہیں اب ہم اسے کیسے اپنا سکتے ہیں ؟ کچھ دوسرے لوگ یہ کہتے سُنے گئے ہیں کہ ہمارا اقتصادی نظام بہت پیچیدہ ہے ۔ اس کی اساس بینکنگ پر ہے ۔ اور تمام معاملات سود کی بنیاد پر چل رہے ہیں ۔ کیا اس نظام کا کوئی متبادل ہمارے پاس ہے ؟"

شیخ الازہر نے یہ اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کے ہر ہر پہلو کا مفصل جواب دیا ہے اور مصری قانون کی تاریخ بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ جب سے مصر میں غیر اسلامی قوانین کا نفاذ شروع ہوا ہے عدل و انصاف اور امن و سکون کی فضا مفقود رہی ہے ۔ بہر حال یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ پوری مصری قوم اس وقت اسلامی قانون کے لیے بیتاب ہے البتہ حکمران گروہ کے کچھ افراد اس راستے میں حائل ہو رہے ہیں ۔ بعض مصری حلقے یہ بھی اشارہ کر رہے ہیں کہ مصر میں اسلامی روح کی بیداری سے اسرائیل پریشان ہے ۔ مصر کا خفیہ کمیونسٹ گروہ بھی شدید مخالفت کر رہا ہے اور حالات کو خراب کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں گھڑ رہا ہے ۔

ڈاکٹر اسماعیل معتوق کا ترمیمی بل پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے ۔ اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا ہے اس کی حمایت میں ارکان کی اکثریت دستخط کر چکی ہے ۔ ستمبر کے اجلاس میں جب اس پر بحث کرنے کا وقت آیا تو وزیر قانون نے کوشش کر کے اُسے اگلے اجلاس تک ملتوی کرا دیا ۔ مصر کی اندرونی فضا میں اس وقت اسلامی قانون کے حق میں جو جوش و خروش پایا جاتا ہے اُس کے پیش نظر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مصر کا حکمران گروہ اس مطالبے کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائے گا ۔ حکومتِ مصر کی طرف سے چند ماہ پیشتر شراب پر پابندی عائد کی گئی ہے ۔ یہ بھی عوامی مطالبے کے دباؤ کا نتیجہ ہے ۔ مگر عوام اس پابندی پر بھی خوش نہیں ہیں کیونکہ یہ پابندی ہمہ گیر نہیں ہے ۔ اس کی رُو سے صرف پبلک اجتماعات کے مواقع پر شراب نوشی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ مصر کے کلب اور ہوٹل اور سیّاحوں کے اڈے اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں ۔

اسلامی قانون کی بحث میں حصّہ لیتے ہوئے شیخ الازہر ڈاکٹر عبد الحلیم محمود نے کہا ہے کہ " میں اس نظریے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اسلامی قانون کے نفاذ سے پہلے مسلمان افراد تیار کیے جائیں ۔ یہ نظریہ امرِ معکوس ہے ۔ سلطان عبد العزیز ابن سعود نے جب اسلامی شریعت کا نفاذ کیا تھا تو انھوں نے فضا اور

ماحول کو ہموار کرنے کا انتظار نہیں کیا تھا بلکہ یک قلم اسلامی شریعت نافذ کر دی تھی۔ چنانچہ وہ ملک جہاں امن و سکون غارت ہو چکا تھا تھوڑے سے ہی عرصہ کے اندر گہوارۂ امن بن گیا۔ قطع ید کی سزا پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پورے سعودی عرب میں ۸ سال کے اندر چوری کے جرم میں صرف دس افراد کے ہاتھ کٹے ہیں۔ اور اب چوری وہاں ناپید ہو چکی ہے۔ شیخ الازہر نے اس امر پر بھی اظہار افسوس کیا کہ مصر کے کالجوں میں جو نظام تعلیم جاری ہے وہ استعمار کا وضع کردہ ہے اور اس میں آزاد قوم کے شایانِ شان نوجوان تیار نہیں کیے جاتے۔ انہوں نے بتایا کہ لا کالج میں ہفتے کے ۲۲ لیکچروں میں سے ۲۰ لیکچر مغربی قانون پر ہوتے ہیں اور صرف ۲ لیکچر اسلامی قانون کے موضوع پر۔ مصر کے وزیر اوقاف ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے کہا ہے کہ اس وقت ملک کی فضا اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت اسلامی قانون کا نفاذ مصر کی قومی ضرورت ہے۔ گذشتہ مہینے قاہرہ میں معاشرتی تحقیقات کے قومی مرکز میں ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی گئی جس میں ازہر کے نمائندے، اسلامیات کے اساتذہ، پولیس کے افسران عدالتوں کے جج اور دیگر سرکاری افسران شریک ہوئے۔ انہوں نے اسلامی قانون کے نفاذ پر مکمل اتفاق کا اظہار کیا اور وزیر قانون کے اس بیان پر تنقید کی کہ اسلامی قانون صرف مسلمانوں پہ نافذ ہوگا غیر مسلم اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔